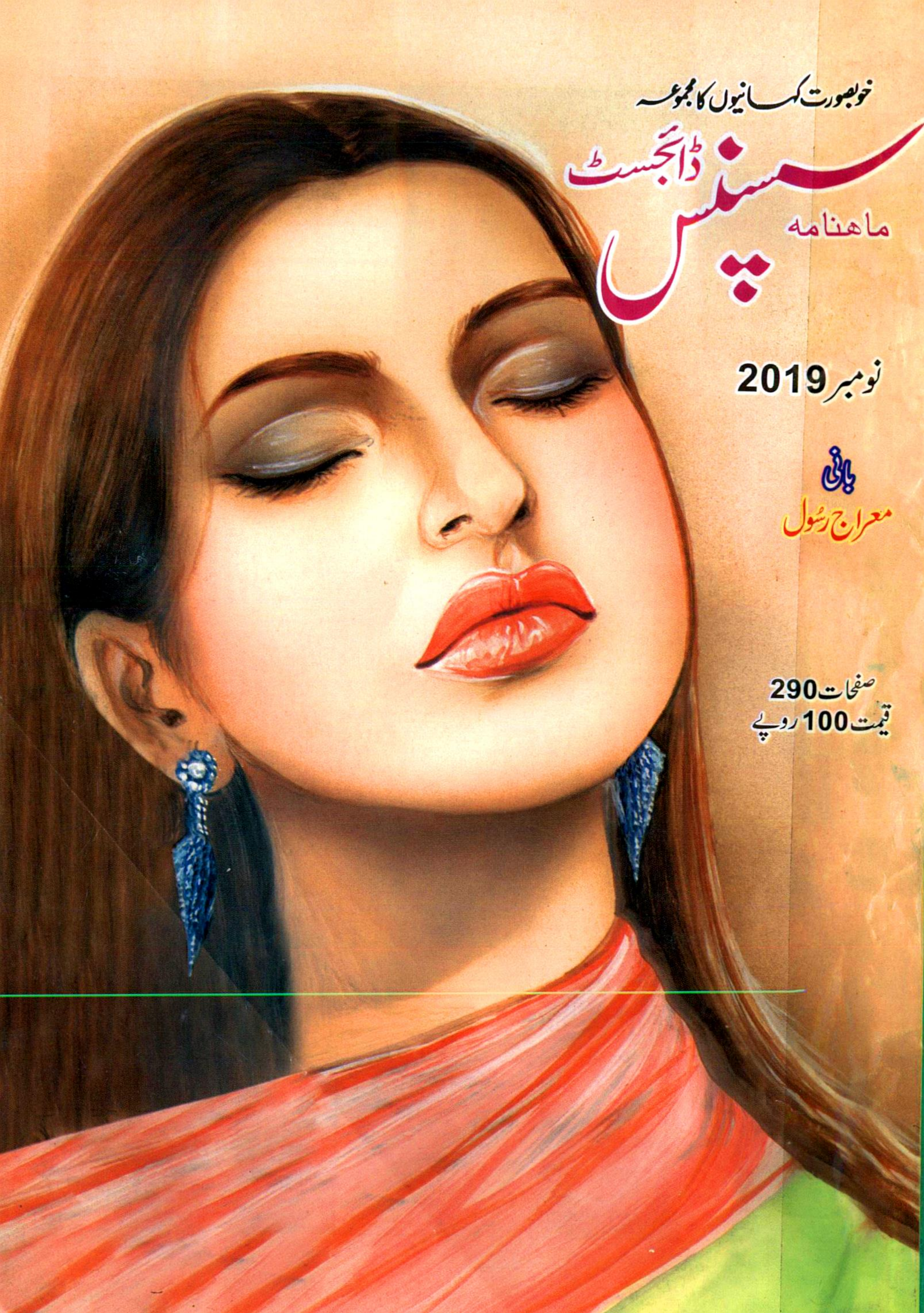

خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

ماھنامہ

سسپنس ڈائجسٹ

نومبر 2019

بانی
معراج رسول

صفحات 290
قیمت 100 روپے

سسپنس ڈائجسٹ
CPNE
MEMBER APNS

مدیرِ اعلیٰ
عذرا رسول

مدیرہ یمنیٰ احمد
نائب مدیر اطہر حسین

مینجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن مینجر
سید منیر حسین
0333-3285269

انشائیہ 07
جون ایلیا
سالوں پہلے لکھے گئے لفظوں کی اہمیت، جو آج بھی پورے اترتے ہیں

آپ کے خط 08
مدیر اعلیٰ
سسپنس کی مجلس مشاورت و قارئین کی تلخ و شیریں باتیں، گلے شکوے اور پرخلوص مشورے

مسیحا 14
زویا اعجاز
ماضی کا آئینہ۔ بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز اور عبرت آمیز واقعات

ان کہی 49
تنویر ریاض
دو بہنوں کی محبت میں ڈوبی نفرت کا دلچسپ احوال

تبدیلی 61
احمد جعفری
سوچنے اور سمجھنے والوں کے لیے ایک پرفکر تحریر

رنگ آسماں 68
اے آر راجپوت
مشرق و مغرب کے عجب امتزاج اور تاریخی خونریزیوں کے عبرت اثر اشاروں میں لہراتی دلچسپ داستان

مظلوم 93
مظہر سلیم ہاشمی
شوہر کی بے وفائی برداشت کرنے والی ایک مظلوم بیوی کا قاتل روپ

کوہ گراں 108
مرزا امجد بیگ
مرزا امجد بیگ کی ڈائری سے ایک اور یادگار واقعہ

مجسمہ ساز 143
ایمل رضا
ایک پریشان حال مجسمہ ساز کی وحشتوں کا احوال

شاطر دماغ 147
نادیہ نور
دولت اور اولاد کو میزان میں تولنے والے والدین کی بے وقوفی

جلد 48 • شمارہ 11 نومبر 2019 • زرِ سالانہ 1200 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 100 روپے •
خط کتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 215 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

محفلِ شعر و سخن — 160
قارئین
آپ کے ہاتھوں سجی ایک انجمن رنگ رنگ
آپ کی پسند آپ کے ذوق سے ہم آہنگ

پہلا دھوکا — 163
ڈاکٹر شیر شاہ سید
محبت کے حصار سے بہ مشکل
نکلنے والی ایک حسینہ کی روداد

سایہ — 169
اسما قادری
سطر سطر پر فکر اور غفلت
سے جگانے والی دردانگیز تحریر

وقت — 182
حسام بٹ
ایک پُرعزم بازی گر کی بازی گری...... سنسنی
خیز واقعات پر مشتمل ایک دلربا طویل داستان

سگ پرست — 225
ناہید سلطانہ اختر
ایک ٹیکسی ڈرائیور کی مسافت
اور سواریوں کے دلچسپ رویے

سزا — 229
شاہ زین رضوان
ایک خاموش قتل کا
عبرت اثر واقعہ

احمد بن حنبلؒ — 237
رضوانہ ساجد
بستی بستی، نگری نگری علم
کے ایک شیدائی کی روداد

دستک — 245
محمد فاروق انجم
اونچے گھمنڈ سے شکستہ گمان تک
گرنے والی ایک حسینہ کا غرور

پچھتاوا — 257
سلیم انور
مغربی معاشرے کی
عجیب منطق اور نرالی چال

پسِ پردہ — 260
طاہر جاوید مغل
انجانی نفرتوں میں پناہ تلاش کرنے والے اس جوڑے
کی کتھا جو...... اپنوں کی اصل روپ سے بے خبر تھا

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

بیرون ممالک مقیم اُردو صارفین ہر ماہ اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ بذریعہ ای میل پی ڈی ایف فارمیٹ میں حاصلکریں

تفصیلات کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں۔

urdusoftbooks@gmail.com

urdusoftbooks.com

یہ سروس بذریعہ پے پال مناسب قیمت پر دستیاب ہو گی

بذریعہ ای میل رابطہ کرنے کے لیے یہاں کلک کریں

انشائیہ

جون ایلیا

اندازہ

جو سماج افلاس اور جہالت کے دردناک عذاب میں مبتلا ہو وہ زندگی کا کوئی صحت مند خواب نہیں دیکھ سکتا اور نہ شاید اس کا حق ہی رکھتا ہے۔ ہم بار بار تعمیر وترقی کا ذکر کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ تعمیر وترقی کی باتیں اسی قوم کو زیب دیتی ہیں جو معاشی استحکام اور تعلیمی ترقی کے ایک خاص نقطے تک پہنچ چکی ہو۔ اس سے پہلے تعمیر وترقی کے امکانات پر غور کرنا دماغی عیاشی اور ذہنی بدکاری کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ہم قومی حیثیت سے افلاس اور جہالت کے جس نقطے پر کھڑے ہیں، وہاں سے تعمیر وترقی کی منزل اتنی دور ہے، اتنی دور ہے کہ اس کے بارے میں سوچنا بھی اپنے آپ کو ہمت شکنی اور زبوں ہمتی کے آزار میں مبتلا کرنا ہے۔ ہم اپنی اس پسماندگی و درماندگی کے سلسلے میں قابلِ ملامت بھی ہیں، قابلِ رحم بھی اور ایک حد تک قابلِ معافی بھی کیونکہ ہماری موجودہ زندگی کے پس منظر میں صرف غلامی ہی کی ایک صدی نہیں، سماجی، اخلاقی، معاشی اور تعلیمی انحطاط کی بھی کئی صدیاں شامل ہیں اور ہمیں ماضی کے اس زبردست نقصان کی تلافی کے لیے جو مہلت ملی ہے وہ یقیناً بہت مختصر ہے اور اسی مختصر مہلت میں ہمیں صدیوں اور نسلوں کے قرضے چکانا ہیں لیکن اس معقول عذر کے باوجود ہم اپنی غیر ذمے داریوں کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتے۔ یہ عذر صرف اسی صورت میں قابلِ سماعت تھا جب ہم نے اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کیا ہوتا، اصلاحِ حال کے لیے ہر وہ کوشش کی ہوتی جو ممکن تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ یہی نہیں بلکہ قوم کے بعض طبقوں نے تو اس نازک دور میں وہ طرزِ عمل اختیار کیا اور اختیار کیے ہوئے ہیں جس کو سہہ لینا ایک پس ماندہ اور پریشاں حال قوم کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

اس موقع پر کس کس سے مواخذہ کیا جائے۔ کس کس کا نام لیا جائے کہ یہ سیاہ نامہ بہت طویل الذیل ہے مگر ایک خاص طبقے کا ذکر کیے بغیر چارہ بھی نہیں۔ ہمارا اشارہ قوم کے دولت مند طبقے کی طرف ہے۔ ہمارے اس رعایت یافتہ اور برگزیدہ طبقے نے آزادی کے بعد جس مجنونانہ اور مجرمانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ ان حضرات نے لکھ پتی سے کروڑ پتی بننے کی جو شان دار مہم تھوڑے ہی عرصے میں سر کر لی ہے، اسے دوسرے شاید صدیوں میں بھی سر نہیں کر سکتے۔ پاکستان میں اگر کسی طبقے نے اپنی غیر معمولی اور قابلِ رشک صلاحیتوں سے دنیا کو مبہوت کر ڈالا ہے تو وہ یہی طبقہ ہے۔ اس کی موجودگی میں جو لوگ علمی و ادبی تہذیبی اور سماجی میدانوں میں پاکستانی قوم کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں، ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور انہیں اس ہونہار قوم کا کوئی عرفان حاصل نہیں۔ اگر اس قوم کی استعداد اور کارکردگی کا اندازہ لگانا ہے تو اس کے لیے دولت کشی اور منفعت اندوزی کے شعبے کا انتخاب کرنا چاہیے کہ یہی تو ایک شعبہ ہے جس میں ہماری قوم نے حیران کن فتوحات انجام دی ہیں اور محیر العقول معجزے دکھائے ہیں۔ سماج کا یہی وہ ادارہ ہے جس کے حوصلہ مند نمائندوں نے ایک ایک رات میں بنجر زمینوں سے محل اگائے ہیں اور ایک ایک دن میں دولت وثروت کی فصلیں کاٹی ہیں۔ یہ بات انہی لوگوں نے ثابت کی کہ آزادی ایک نعمت ہے اور غلامی ایک لعنت۔ اگر یہ ارجمندانِ دولت نہ ہوتے تو پاکستان میں کوئی بھی آزادی کی نعمتوں اور برکتوں کا قائل نہ ہوتا۔ ہمیں اس موقع پر عبارت آرائی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، ہمارا فرض ہے کہ اس ضمن میں پوری متانت اور سنجیدگی سے کام لیں۔ اس گروہ نے سماج کی صحت مند قدروں کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ یہ لوگ ''زرگری'' اور زر پرستی کے علاوہ کوئی قدر نہیں مانتے، ان کا صرف ایک نصب العین ہے یعنی دولت کھینچنا۔ قوم جہنم میں جائے۔ انہیں تو اپنے کام سے کام ہے۔ زندگی میں ان کا سب سے بڑا ہتھیار دولت ہے اور سب سے مضبوط سپر جہالت۔ ان کے نزدیک تعمیر وترقی کا مفہوم یہ ہے کہ کوٹھیوں کے نئے نئے ڈیزائنوں اور کاروں کے نئے نئے ماڈلوں کے ذریعے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی جائے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ پاکستان کی فاقہ کش، فلاکت زدہ اور درماندہ قوم ان مجنونانہ حرکات اور مجرمانہ رجحانات کی آخر کہاں تک متحمل ہو سکتی ہے۔ واقعی ہمیں اپنی قوتِ برداشت کا اندازہ لگانا چاہیے۔

عزیزانِ من
السلام علیکم!

نومبر 2019ء کا شمارہ آپ کی خدمت میں پیش ہے...... ماہ نومبر ہو اور حضرت اقبال کا ذکر نہ ہو تو بات مکمل نہیں ہوتی۔ شاعرِ مشرق محترم علامہ اقبال کا خواب اور قائداعظمؒ کی قائدانہ صلاحیتوں کا پُروقار سنگم...... اور درمیان میں بے مثال اور ہمیشہ یاد رکھی جانے والی قربانیوں کا اجر پیارے پاکستان کی خوبصورت سرزمین جو مسلمانوں کے لیے حاصل کی گئی مگر...... موجودہ صورتِ حال نے عہدِ حاضر کے عوام کو بہت مایوس کیا ہوا ہے...... معیشت کی تباہ حالی نے پورے ملک کو مہنگائی جیسی مہلک بیماری میں مبتلا کیا ہوا ہے...... روزگار کے مواقع جیسے کسی بلا نے ہڑپ کرلیے ہیں۔ کوئی ایسی نادیدہ طاقت ہے جس نے گویا اس نظام کے ہر شعبے میں افراتفری پھیلائی ہوئی ہے...... اور یہ سب اس لیے ہے کہ کوئی بھی اس تباہی کی ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں...... جسے دیکھو دوسرے پر انگلی اٹھائے ہوئے ہے۔ جو بااختیار ہے وہ بے اختیار ہونے کا رونا روتے ہوئے اپنے مفادات پورے کرنے میں بھرپور بے اختیاری کا مظاہرہ کررہا ہے، یہ کیسی بے اختیاری ہے جناب! اور اب دیکھتے ہیں کہ دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ وزیراعظم کا چائنا میں دورہ کس حد تک ہماری تباہ حال معیشت کو سہارا دینے میں کامیاب ہوتا ہے۔ روزگار کے نئے مواقع کے نعرے تو لگتے ہی رہتے ہیں عملاً تو فی الحال ہر منظر دھندلا ہے...... اشیائے خورونوش کی من مانی قیمتیں آسمان سے محوِ گفتگو ہیں...... سبزی فروشوں کی ڈھٹائی بے مثال ہے ٹیکسز کی بھرمار نے نہ صرف تاجر برادری بلکہ پوری قوم کو بے چینی و بے یقینی کا شکار کردیا ہے۔ نئے روزگار کے مواقع تو کیا میسر آتے، رہے سہے بھی ہاتھ سے جاتے محسوس ہورہے ہیں جبکہ دوسری جانب لاقانونیت پھر سے سر اٹھا رہی ہے۔ ایک بار پھر مجرمانہ سرگرمیوں میں اضافے نے عوام میں خوف و ہراس کی لہر دوڑا دی ہے۔ گٹکے کی خرید و فروخت پر پابندی لگانے کے حوالے سے حال ہی میں قانون سازی کے لیے بل پیش کیا گیا، سزائیں تجویز ہوئیں جو صحت افزا فیصلہ ہے مگر...... اب دیکھنا یہ ہے کہ اس پر عمل درآمد کیا خلوصِ دل سے ہو بھی پائے گا یا اس جانب اٹھایا جانے والا یہ قدم بھی مجرم کو پکڑنا اور پکڑ کر معاملات طے کرنے کے نئے راستے کھولنے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ البتہ اگر چوکیدار اور چور میں نمایاں طور پر فرق قائم رہا تو یقیناً اس فیصلے کے مثبت اور روشن نتائج ضرور نکلیں گے مگر بدقسمتی سے ہمارے یہاں قانون بنانے سے پہلے قانون توڑنے کی تجاویز پر اچھی طرح سوچ لیا جاتا ہے۔ بہرحال اچھے کی امید تو ہر حال میں رکھنا چاہیے۔ گزشتہ دنوں آنے والے زلزلے نے پاکستانی عوام کے دلوں کو بھی لرزا دیا ہے مگر ہم ہیں کہ ہر تباہی کو بھول جاتے ہیں اور یہی بھول شاید ہماری مزید پریشانیوں اور بدحالی کا سبب بنتی جارہی ہے۔ جبکہ کامیاب اور شاندار قومیں اپنی بدحالی اور ناکامی سے کامیابی کی راہیں نکالتی ہیں۔ راہیں تو ہماری آپ بھی تک رہے ہیں... اپنے خوبصورت سندیسوں کے ساتھ تو پھر چلتے ہیں اپنی محفل کی جانب۔

✠ محمد انور ندیم، حویلی لکھا سے محفل میں شریک ہوئے ہیں ''اکتوبر 2019ء کا شمارہ ملا۔ لمبے بالوں والی ٹائٹل حسینہ، اداس آنکھوں اور پریشان آنکھوں کے ساتھ، سوچوں میں گم نظر آئی۔ البتہ اس مرتبہ ٹائٹل کے پس منظر میں کچھ بھی نہ تھا۔ ہمارا یہ خط چونکہ نومبر میں سسپنس کے صفحات کی زینت بنے گا تو کیوں نہ 26 نومبر کی تاریخی اہمیت پر ذرا بات کرلی جائے۔ 26 نومبر 2008ء کو ممبئی حملے کی وجہ سے پاک انڈیا کمپوزٹ ڈائیلاگ معطل ہوگئے تھے۔ بعدازاں یہ کشیدگی اس قدر بڑھ گئی کہ خطے کی دو ایٹمی قوتوں کے درمیان جنگ کا خطرہ پیدا ہوگیا جبکہ 26 نومبر 2011ء کو نیٹو فورسز نے پاک

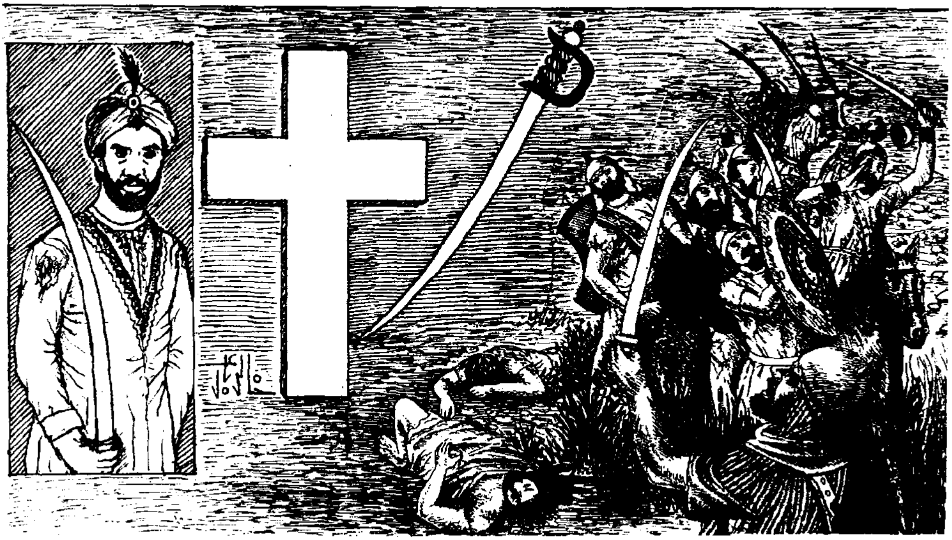

مسیحا

دوسرا حصہ

زویا اعجاز

میدانِ جنگ میں نام اہم ہوتے ہیں نہ مقام...اس میدان میں تو حوصلہ اور جرأت سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور...نورالدین زنگی کا وجدان اسے مسلسل خطرات سے آگاہ کررہا تھا۔ یہ مردِ مجاہد ذاتی طور پر بہت رحمدل، انسانیت پسند اور مسلم امہ میں محبت و اخوت برقرار رکھنے کا خواہشمند تھا اور اسی خواہش کی تکمیل کے لیے وہ جہدِ مسلسل میں مصروف تھا جب کہ صلیبی فوج ایک طرف تو لوٹ مار میں حاصل ہونے والی اشیا، معصوم بچوں کی خونریزی اور خواتین کی عصمت دری سے کشید ہونے والی لذّتوں میں گم تھی مگر دوسری جانب وہ مسلم سپاہ کا نظم و ضبط، دیوانگی اور سکون دیکھ کر بری طرح خوفزدہ بھی تھی بالخصوص نورالدین زنگی کے ایک نڈر امیر مجدد الدین کی شمشیر بے نیام نے صلیبی افواج کی نیندیں اڑا کر رکھ دی تھیں کیونکہ...میدانِ جنگ میں نام اہم ہوتے ہیں نہ مقام...بس حوصلے اور جرأت کی ضرورت ہوتی ہے جو امیر مجدد الدین نے قدم قدم پر ثابت کردکھایا۔

ماضی کا آئینہ۔ بااختیار اور بے اختیار انسانوں کے عبرت اثر واقعات

ان کہی

تنویر ریاض

حاسدکسی بھی روپ میں اور کسی بھی جگہ باآسانی مل جاتے ہیں مگر انہیں پہچاننے میں بہت دیر لگتی ہے کیونکہ... خونی رشتے ان باتوں پر ذرا دیر سے ہی یقین کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہیے۔ خون کا رشتہ ہوتا ہی ایسا ہے... اس کے پاس بھی ایک ایسی ہی کہانی تھی جسے وہ کسی کو سنا بھی نہیں سکتی تھی لیکن اس کے حاسد جذبوں کو تسکین ضرور مل گئی تھی۔

دو بہنوں کی محبت میں ڈوبی نفرت کا دلچسپ احوال

میں اپنی بہن کی سیاہ وولوو کی پسنجر سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی میں نے سگریٹ سلگایا تو لورین نے مجھے غصے سے دیکھا۔ وہ ہفتے کا دن تھا اور ہم دونوں بہنوں نے نیو ہمپشائر کے وسط میں واقع واکر جھیل پر پورا دن گزارنے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ ایک تنگ اور کچی سڑک تھی اور دونوں طرف درخت کی شاخیں کار سے ٹکرا رہی تھیں۔ لورین نے ایک بار پھر مجھے دیکھا اور بولی۔ ”تمہیں سگریٹ نہیں پینی چاہیے ٹیلر۔“

”ہاں۔“ میں نے کھڑکی سے باہر سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

”تم جانتی ہو کہ سگریٹ نوشی کی وجہ سے عورتوں میں کینسر کا خطرہ ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔“

”ہاں، میں نے بھی پڑھا ہے۔“

”پھر تم سگریٹ کیوں پیتی ہو؟“

میں نے ہمیشہ کی طرح آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔ ”شاید لوگوں کو ناراض کرنے کے لیے۔“

سیٹھ لکی کنٹریکٹر، کوالالمپور کے ائرپورٹ سے جہاز میں سوار ہوا۔ ملائیشین ائرلائنز کے جہاز کو مسلسل پانچ گھنٹے کی پرواز کے بعد کولمبو ائرپورٹ پر اترنا تھا۔ سیٹھ لکی پورے ملائیشیا اور سنگاپور میں تیار گارمنٹس کا ہول سیل سپلائر تھا۔ خود اس کے تین بڑے گارمنٹس اسٹور کوالالمپور کے پوش علاقے میں تھے۔ وہ زیادہ تر کام کولمبو میں قائم ناتھورام گارمنٹس انڈسٹری سے کرواتا تھا۔ اس کے آرڈر عموماً اتنے بڑے ہوتے تھے کہ شپ کے دو بڑے کنٹینرز میں بھر کر کوالالمپور

تبدیلی

احمد جعفری

کچھ لمحے زندگی میں بڑی سنسنی خیز تبدیلی لانے کا سبب بن جاتے ہیں جیسے کہ یہاں... وہ جو گناہوں کی دلدل میں گردن تک دھنس چکا تھا کہ ایک ولی کے مزار پر... فقط ایک حاضری نے ایسا جھٹکا دیا کہ ساری گندگی جیسے کسی گرد کے مانند ہوا ہو گئی... اور پھر اسی تبدیلی نے دنیا کو حیران کردیا۔

سوچنے اور سمجھنے والوں کے لیے ایک

پرفکر تحریر

پچیسواں حصہ

رنگ آسماں

اے۔آر۔راجپوت

ماضی کی تنگ و تاریک مگر خوابناک راہداریوں سے جنم لینے والے ایسے کردار... جنہیں واقعات و شواہد نے خود ترتیب دے کران کی زندگی کی بے قراریوں کو ایک ایسے مقصد میں ڈھال دیا جس کا ادھورا پن بے شمار ہلاکتوں کا سبب بن جاتا... لہٰذا اس کی تکمیل کے لیے وہ باغی فطرت انسان میدان جنگ میں یوں اترا کہ دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کردینے والے گداز احساسات کو بھی بھول گیا لیکن... عشق تو پھر عشق ہوتا ہے... کوئی کتنا ہی بھولنا چاہے، عشق اپنا مسکن کبھی نہیں بھولتا۔ جس دل میں بس جائے اسے اپنے ساتھ ہی لے کرجاتا ہے... اور پھر ایک دن اچانک اس کے من کا موسم بھی بدل گیا کیونکہ... وہ فرنگی حسینہ دلی کے اس نوجوان کو دل دے بیٹھی تھی، جس کا ہر قدم آزمائش اور ہر نظر کسی امتحان سے کم نہ تھی، اس کے باوجود... خاک و خون کے اس کھیل میں نہ تو اس نے خوابوں کو بکھرنے دیا اور نہ ہی جذبوں کو بے لگام ہونے دیا۔ کیونکہ وہ آسمان پر بکھرے رنگوں کا مطلب جان گیا تھا۔

مشرق و مغرب کے عجب امتزاج اور تاریخی جنوں خیزیوں کے عبرت اثر اشاروں میں لہراتی دلچسپ داستان

رشتہ کوئی بھی ہو... دھوکا کسی صورت برداشت نہیں ہو سکتا اور جہاں قوت سے زیادہ برداشت سے کام لیا جائے وہاں بغاوت جنم لے لیتی ہے۔ وہ بھی اپنے محبوب شوہر کی محبت میں کسئی کی شراکت برداشت نہیں کر سکتی تھی اور جب... اس کی قوتِ برداشت ہار گئی تو بغاوت کا روپ دھار لیا... وہ بھی ایسا بہروپ کہ کوئی اس کی اصل حقیقت کو نہ جان سکا حتیٰ کہ... وہ شخص اپنی جان سے ہی چلا گیا۔

شوہر کی بے وفائی برداشت کرنے والی ایک

مظلوم بیوی کا قاتل روپ

مظلوم

مظہر سلیم ہاشمی

"بعض اوقات مدد آسمان سے آتی ہے......"

یہ بات اس کی ماں کہا کرتی تھی لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں تھا کہ وہ آسمان سے فرشتے یا روحیں اترنے یا جنات اور پریوں کی مدد کی بات کر رہی ہوتی تھی...... بلکہ وہ تو ناموافق حالات میں ایسی صورت حال کے پیدا ہو جانے کا کہتی تھی جس سے فائدہ اٹھا کر بندہ کسی بھی مصیبت کو ٹال سکتا تھا۔

'ہاں اماں جی! آپ صحیح کہتی تھیں...... لیکن کاش اس وقت آسمان سے کوئی مدد میرے لیے بھی اتر آئے۔ سخت مصیبت میں پھنس چکی ہوں میں۔' اس نے نیم دراز ہوتے ہوئے سوچا۔

ثمرہ جمشید خاکوانی سیاہ چرمی آرام دہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذات کا پلندا اس نے سامنے میز پر بکھرے دیگر کاغذوں میں

کوہِ گراں

مرزا امجد بیگ

بعض اوقات اندھا اعتماد بھی انسان کی بصیرت چھین لیتا ہے۔ وہ بھی اپنے شوہر پر جان فدا کرنے والی شریک حیات تھی جبکہ شوہر کی نظر میں وہ محض اس کی حیات میں زبردستی شریک ہونے والی عورت تھی۔ ایسے میں ان کی گاڑی کبھی پٹڑی سے اُتر جاتی اور کبھی دھکا مار کر آگے بڑھا دی جاتی لیکن آخر ایسا کب تک... بس اسی سوال نے دونوں کو الجھن میں ڈال رکھا تھا اور پھر دونوں نے اپنے اپنے تئیں اس سوال کا جواب ڈھونڈ بھی لیا... یہ اور بات کہ دونوں کے جوابات ایک دوسرے کے لیے ناقابلِ قبول تھے مگر ان کی نظر میں حل یہی تھا اور پھر ایک دن جو ہوا اس نے دنیا کو حیران کردیا کیونکہ اندھا اعتماد بعض اوقات انسان کو واقعی اندھا کردیتا ہے۔

مرزا امجد بیگ کی ڈائری سے

ایک اور یادگار واقعہ

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے مقدمے کا چالان عدالت میں پیش کردیا۔ میں نے آج وکالت نامے کے ساتھ ہی اپنے مؤکل کی درخواستِ ضمانت بھی دائر کردی تھی۔ جج اپنی مخصوص کرسی پر آ کر بیٹھ چکا تو میں نے اس کیس کے ملزم اور اپنے مؤکل کی ضمانت کے حق میں دلائل کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! میرا مؤکل اس معاشرے کا ایک معزز فرد ہے۔ قتل اور ڈکیتی جیسے معاملات سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں آگے چل کر یہ ثابت کردوں گا کہ میرے مؤکل کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت زیرِ سماعت کیس میں پھنسایا گیا ہے لہٰذا میں لرنڈ کورٹ سے استدعا کروں گا کہ میرے مؤکل کی درخواستِ ضمانت کو منظور کیا جائے۔''

''یوَر آنر! ہر وکیلِ صفائی کی نظر میں اس کا مؤکل بے گناہ ہی ہوتا ہے اور وہ اپنے مؤکل کی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے پورا زور لگاتا ہے۔'' وکیلِ استغاثہ نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ابھی میرے فاضل دوست نے کہا ہے کہ آگے چل کر وہ معزز عدالت کو بتائیں گے کہ قتل اور ڈکیتی جیسے سنگین جرائم کا مرتکب شخص خدانخواستہ کسی سازش کا شکار ہوا ہے۔ تو ٹھیک ہے......'' وکیل استغاثہ نے ڈرامائی انداز میں توقف کرکے بے پروائی سے کندھے اچکائے اور معتدل لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''آگے بڑھتے ہیں......!''

''جناب عالی! میرا مؤکل یاور حیات اس وقت ایک

ساری بات ''خاموشی'' کی تھی اور بڑی خاموشی سے شروع ہوئی تھی۔

''خاموشی'' مجسمہ ساز کے نئے مجسمے کا نام تھا جس پر اس نے پورا ایک سال دن رات محنت کی تھی۔ دن رات کے الفاظ کم ہیں۔ اس نے پہروں کو گنے بنا اس پر کام کیا تھا۔ ''خاموشی'' پر بڑی خاموشی سے محنت ہوئی تھی۔ اتنی کہ مجسمہ ساز خود بھی خاموش ہو کر رہ گیا تھا۔ ان دنوں اسے کسی چیز کی پروا نہیں رہی تھی۔ سوائے اپنی ''خاموشی'' کے۔

خاموشی کا کُل تصور ایک لڑکی تھی۔ لڑکی...... جو ندی کنارے بیٹھی ہوئی، ندی کے پانی کو گھورتی ہوئی، خاموش اور ساکت تھی۔ یہ مجسمہ ساز کی ذہنی اختراع نہیں تھی۔ پہاڑی علاقوں کی سیر کے دوران وہ واقعی میں ایک لڑکی کو روز دیکھا کرتا تھا جو صبح سے شام تک ندی کے پاس آ کر بیٹھ جاتی اور پانی میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے بیتے دنوں کو کھو جا کرتی تھی۔ باقی کی کہانی مجسمہ ساز کے تخلیقی ذہن میں خود بخود بنتی چلی گئی۔ لڑکی ندی کنارے پتھر پر بیٹھی ہے، وہ اپنے محبوب کو یاد کر رہی ہے، اس کی آنکھ بھرنے کے قریب ہے۔ وہ خاموش ہے، جو اس برس بھی اس کا محبوب سرحد سے واپس نہ لوٹا تو وہ اسے پھر کبھی نہ پا سکے گی۔ اپنے اوپر ہونے والے ستم کے احساس سے لرزہ خاموش بیٹھی لڑکی کا ''مجسمۂ خاموشی''۔

کہانی تو انہی دنوں میں مکمل ہو گئی تھی' مجسمہ پورے بارہ ماہ میں مکمل ہوا تھا۔ گھر آتے ہی مجسمہ ساز نے اسے پہلے مٹی

مجسمہ ساز

ایمل رضا

کبھی کبھی قدرت حیرت انگیز تماشے دکھاتی ہے۔ وہ جو ایک مجسمہ ساز تھا... اپنے تخیّل میں روپ بھر دیتا تھا مگر یہ کیا... دنیا کے مختلف حصوں میں ایک تخیّل اور دوسرا جیتا جاگتا وجود اور حیرت انگیز مماثلت... بس یہی معمّا اسے حل کرنا تھا۔

ایک پریشان حال مجسمہ ساز کی وحشتوں کا احوال

اویل رالف نے مقامی لوک گیت گنگناتے ہوئے اپنی وارڈروب کھولی۔ سامنے ایک قطار میں بے شمار سوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ یہ سب بہترین کپڑے اور سلائی والے قیمتی سوٹ تھے۔ اویل نے ہینگر پر لٹکے ہوئے سوٹ ادھر اُدھر کیے اور کچھ پل سوچتے ہوئے اپنے لیے سیاہ اسکرٹ اور مخمل کا بنا ہوا بلاؤز منتخب کیا اور ساتھ ہی شفاف مصنوعی موتیوں والا نفیس سا ہار نکال لیا، جو اس لباس پر خوب جچتا تھا...... اویل پچیس سال کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ خاص طور پر اس کے گول، نرم اور خوبصورت چہرے پر ایک خاص قسم کی معصومیت تھی۔ اس کی کشادہ آنکھیں سیاہ تھیں اور ہلکی سی زیتونی رنگت رکھنے والی جلد...... ہموار اور نرم تھی۔ انگریزوں میں اس قسم کی بے داغ جلد کم پائی جاتی ہے۔

چار بجے اویل نے اپنے باپ رالف پیٹرک کو مطلع کر دیا۔

"ڈیڈی! شام کو میں اپنی دوست مونیکا کی برتھ ڈے پارٹی میں جا رہی ہوں۔ پارٹی چھ بجے شروع ہوگی اور میری واپسی کم از کم گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوگی۔"

"اوکے! میری پیاری مونگ پھلی...... ضرور جاؤ مونیکا کی پارٹی میں۔" رالف نے بخوشی اجازت دے

شاطر دماغ

نادیہ نور

ایک طرف باپ اور دوسری جانب محبوب کی محبت نے اسے عجیب امتحان میں ڈال دیا تھا مگر... جرم کی دنیا نے اسے ایک نیا راستہ سُجھا دیا... اگرچہ یہ قدم بھی کسی جرم سے کم نہ تھا لیکن... اس طرح اس نے اپنی ان دونوں محبتوں کو ٹوٹنے سے بچا لیا کہ جن کے بغیر وہ خود بھی ادھوری تھی۔

دولت اور اولاد کو میزان میں تولنے والے والدین کی بے وقوفی

محفلِ شعر و سخن

❊ ریاض بٹ ...... حسن ابدال

جب تک نہ جلیں دیپ شہیدوں کے لہو سے
سنتے ہیں کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوتا

❊ صبا سحر ...... کراچی

غیروں میں کوئی بھی ہمیں دشمن نہیں ملا
اپنی ہی آستیں کبھی دیکھیں گے ایک دن
مدت کے بعد بھی وہی اجڑا ہوا ہے گھر
تم نے کہا تھا یاد ہے ٹھہریں گے ایک دن

❊ لبنیٰ کنول ...... خیر پور

ہو آج کی تصنیف میں اک تذکرۂ وصل
کل ہوں گے جدائی کے کسی باب میں ہم تم

❊ مدحت ...... کراچی

اُن کے نزدیک غمِ ترکِ وفا کچھ بھی نہیں
مطمئن ایسے ہیں جیسے کہ ہوا کچھ بھی نہیں
اب تو ہاتھوں کی لکیریں بھی مٹی جاتی ہیں
اس کو کھو کر تو میرے پاس رہا کچھ بھی نہیں

❊ محمد شہباز اکرم نوئی ...... ڈھپئی، پاک پتن

خدا کرے کہ تیری عمر میں گنے جائیں
وہ دن جو ہم نے تیرے ہجر میں گزارے تھے

❊ جاوید اختر رانا ...... حیدر آباد

پھر یوں ہوا کہ کٹ گئی تیرے بغیر بھی
اجڑی ہوئی، لٹی ہوئی، ویران زندگی

❊ آسیہ خان ...... لاہور

تمہیں نظر میں رکھوں یا تمہیں گماں میں رکھوں
میں اپنے آپ کو کب تک اس امتحاں میں رکھوں

❊ علی افضل ...... لاڑکانہ

صحرا نوردیوں نے چلو یہ سکھا دیا
سب ریت کے تھے لوگ جو اکثر ملے مجھے
ہاتھوں سے جو اٹھائی تھی دیوار گر گئی
بربادیوں ہی میں ملے سارے صلے مجھے

❊ ناہید یوسف ...... اسلام آباد

پڑنے لگی ہے تم پہ زمانے کی اب نظر
جلنے لگے ہیں لوگ میرے انتخاب سے

❊ نازش خان ...... مری

ہر تمنا تم سے ملنے کی مچل کر رہ گئی
شامِ تنہائی میں ہم راہ تیری تکتے رہے

❊ محمد کمال انور ...... اورنگی ٹاؤن، کراچی

شام ہوتے ہی چراغوں کو بجھا دیتا ہوں
دل ہی کافی ہے تیری یاد میں جلنے کے لیے

❊ شاہین تبسم ...... لاہور

بیٹھنے دیتا نہیں مجھ کو کنارے پہ کبھی
مجھ میں پوشیدہ یوں سیلاب لیے پھرتا ہے
کون کرتا ہے رگِ جاں میں لہو کو گردش
کون سانسوں میں یہ زہراب لیے پھرتا ہے

پہلا دھوکا

ڈاکٹر شیر شاہ سید

اگر انسان پہلی ٹھوکر پر سنبھلنا نہیں سیکھتا تو پھر شاید اسے قسمت دھیرے دھیرے ٹھوکروں میں لے آتی ہے مگر... اسے پہلی ٹھوکر نے ایسا سبق سکھایا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے کیونکہ اسے سبق یاد کرنے کا ہنر آتا تھا۔

محبت کے حصار سے

بہ مشکل نکلنے والی

ایک حسینہ کی روداد

میری بیٹی نے مجھے دو دفعہ حیران کیا۔ پہلی دفعہ جب اس نے مجھے لندن سے فون کر کے بتایا کہ وہ لاہور سے آئے ہوئے اپنے ہم جماعت لڑکے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے اور وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ اس کی ماں کو میں سمجھاؤں کیونکہ اس کا خیال تھا کہ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اس کی ماں اور نانی طوفان کھڑا کر دیں گی۔ دوسری دفعہ اس وقت جب منگنی کے بعد شادی سے صرف تین ماہ قبل اس نے مجھے رشتہ ٹوٹ جانے کی خبر دی تھی۔ دونوں دفعہ اس کی ماں

ہمارا ایمان ہے کہ ساری مخلوق کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور ہر مخلوق جاندار ہے مگر افسوس کبھی کبھی ہم حقیقت سے یوں نظریں چرا لیتے ہیں کہ انسانیت بھی شرمندہ ہوجاتی ہے۔ صحت مند اولاد بے شک اللہ کا خوبصورت تحفہ ہے مگر کچھ انسانوں میں نقص رکھ کر اللہ صحت مندوں کو شکرادا کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے... لیکن یہاں کی صورتِ حال انتہائی دل گرفتہ ہے۔

سطر سطر پُرفکر اور غفلت سے جگانے والی دردانگیز تحریر

سایہ

اسماقادری

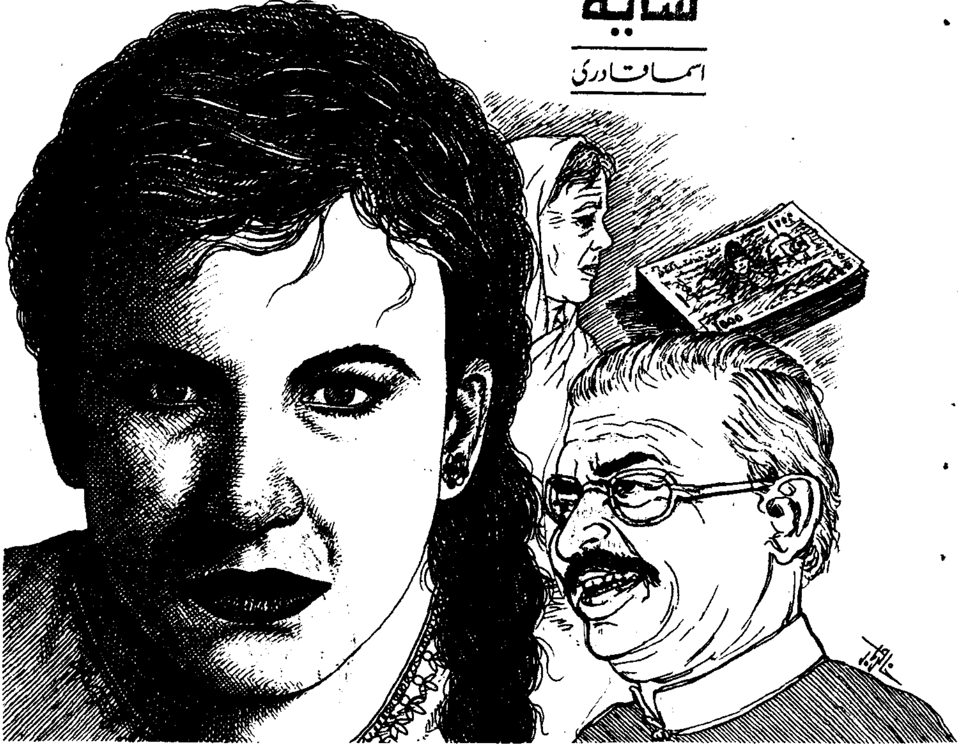

"نور کا خیال رکھا کرو شازیہ!"

"پچھلے پانچ سال سے اس کے سوا کر بھی کیا رہی ہوں۔" تیسری بار تخلیق کے مرحلے سے گزرتی شازیہ نے ڈیڑھ سالہ حنین کا ڈائپر بدلتے ہوئے قدرے بیزاری سے جواب دیا۔

"اگر ایسا ہوتا تو میں اسے تین گلی چھوڑ کر گھر سے دور کھیلتا ہوا نہیں پاتا۔" صمد کا لہجہ سرد تھا جو شازیہ کو کھلا۔

"پلیز صمد! میں انسان ہوں اور انسانوں سے

بتیسویں قسط

وقت

حسام بٹ

موت کے کنویں میں بھی وقت جس کا ہم رکاب تھا۔ ایک ایسے پرعزم بازی گر کی بازی گری ...... سنسنی خیر واقعات پر مشتمل ایک دلربا طویل داستان

وقت بادشاہ اور کائنات کی ہر شے اس کی رعایا ہے لیکن . . . اس کی نہ کوئی شکل اور نہ ہی وجود ہے۔ اس کے باوجود یہی وقت روپ بدل بدل کر سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ جس کی گردش انسان کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ایک ہی پل میں کسی کو بادشاہت سے نوازتا ہے اور کسی کو زمین کی خاک چاٹنے پر مجبور کردیتا ہے۔ کبھی دن اور رات میں ڈھل کر عمر رواں کا نام پاتا ہے اور موسم کی طرح گزر جاتا ہے ۔کبھی مہربان اور مخلص دوست بن جاتا ہے اور کبھی سفاک دشمن کا کردار ادا کرتا ہے۔ کبھی محبت بن کر ہونٹوں پر ہنسی بکھیرتا ہے اور کبھی درد کی صورت آنسو بن کر دلوں میں گھاؤ ڈال دیتا ہے۔ چونکہ یہ کسی کا غلام نہیں اسی لیے کسی کی پروا بھی نہیں کرتا لیکن . . . اتنا سنگدل ہے جو اس کی پروا نہیں کرتا اسے ایسی مار مارتا ہے کہ پینے کو دو بوند پانی تک نہیں ملتا اور اتنا بے ایمان بھی ہے کہ جس پر اپنی مرضی سے مہربان ہوجائے اس کے لڑکھڑاتے قدموں سے بھی قدم ملا کر عروج عطا کرتا ہے مگر شرارت سے پلٹ کر ان کی طرف بھی دیکھتا ہے جنہیں وہ بیچ بھنور میں تنہا چھوڑ آتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسے ہی مہربان لمحے کا اسیر تھا. . . جسے یہ تک خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے اور کس خاندان سے وابستہ ہے۔ جس کی اپنی کوئی شناخت نہ تھی اس کے باوجود اس کی داستان حیات میں چاہنے والوں کی کمی نہ تھی۔ دو مختلف معاشروں اور تہذیبوں کا حسین امتزاج . . . ایک ایسا سلسلہ جو برسوں یاد رہے گا۔

شدید دھند تھی اور کڑاکے کی سردی۔ عبداللہ فاروقی ٹیکسی رینک پر اپنی ٹیکسی میں بیٹھا سواری کا انتظار کر رہا تھا۔ وقت گزاری کے لیے اس نے ریڈیو آن کر رکھا تھا۔ اگلے چوبیس گھنٹوں کے دوران شدید برفباری کی پیشگوئی کی جا رہی تھی۔ موسم کے یہ تیور عبداللہ کے لیے نئے نہ تھے۔ موسم کی ان کج ادائیوں سے اس کا یارانہ ہوئے برسوں بیت گئے تھے۔ اب تو دھند ہوتی یا برفباری، طوفانی جھکڑ چلتے یا کڑکڑاتی سردی بندے کا نام پوچھتی، وہ شام چھ بجے کے لگ بھگ اپنی ٹیکسی میں ٹیکسی رینک پر پہنچ جاتا اور اپنے مطلب کی سواری کا انتظار کرنے لگتا جو عموماً اسے مل ہی جاتی۔ دوسرے ٹیکسی ڈرائیور اس سے اکثر مذاق میں پوچھتے کہ اس کے پاس ایسا کون سا جادو تھا جو لمبی سواری باقی ٹیکسیوں کو چھوڑ کر اس کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ عبداللہ اپنی شہادت کی انگلی آسمان کے رخ پر کھڑی کر کے نہایت عاجزی سے مسکرا دیتا۔

سگ پرست

ناہید سلطانہ اختر

مغربی دنیا کے طور طریقے بھی بڑے نرالے ہوتے ہیں... انسانی رشتوں کی قدر نہیں کرتے' جانوروں کے حقوق کی بات کرتے ہیں۔ انسان کی بھوک کو نظر انداز کرتے ہیں اور کتوں کو منہ لگا کر خوش ہوتے ہیں۔ بڑے ہی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔

ایک ٹیکسی ڈرائیور کی مسافت اور سواریوں کے دلچسپ رویے

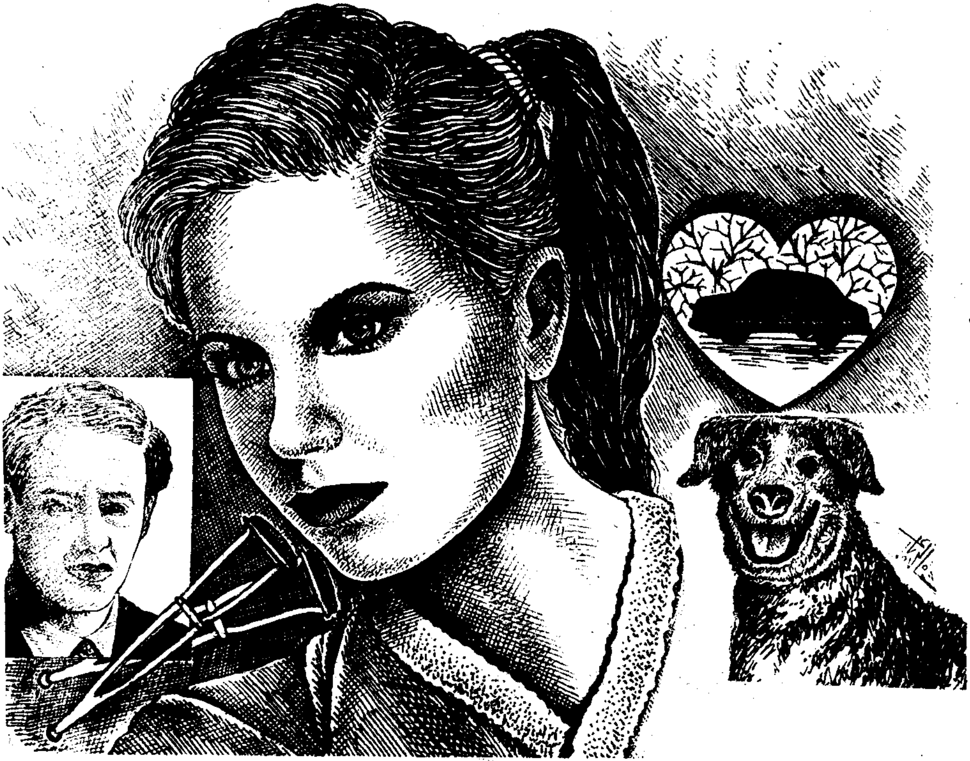

سزا

شاہ زین رضوان

جب دنیاوی قانون کسی جرم پر پردہ ڈالنے کا سبب بنتا ہے تو قدرت ان تمام حقائق سے اس طرح پردے اٹھا دیتی ہے کہ مجرم دنیا کے سامنے عبرت کا نشان بن جاتا ہے۔ یہ بھی ایک ایسے ہی قتل کا قصہ تھا جس پر بڑی مہارت سے پردے ڈال دیے گئے تھے۔

ایک خاموش قتل کا عبرت اثر واقعہ

کولن فلائن گرانڈ امریکن ہوٹل کی لابی میں کھڑی اپنے آپ کو غیر نمایاں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ حالانکہ اس کے لیے ایسا کرنا آسان نہیں تھا۔ وہ لمبے قد اور چوڑے کندھوں والی عورت تھی اور اس کے چہرے پر ہمیشہ خفگی چھائی رہتی، چاہے وہ کتنا ہی نارمل نظر آنے کی کوشش کرے۔ وہ ہوٹل کے فرنٹ ڈیسک کے سامنے ایسی پوزیشن پر تھی کہ بیک وقت دو لوگوں پر نظر رکھ سکے۔ ان میں ایک خوش لباس عورت جو رجسٹریشن کارڈ پر دستخط کر رہی تھی اور

"کیابات ہے......آپ کیوں غائب ہیں؟ سب لوگ آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" ان صاحب نے پوچھا۔
"میرے کپڑے چوری ہوگئے ہیں۔ باہر نکلوں تو کیسے؟"
"میرے پاس اتنی رقم تو ضرور ہے کہ میں آپ کی مدد کرسکوں۔ چاہے یونہی لے لو خواہ قرض کے طور پر۔ جب چاہے واپس کردینا ورنہ میں نے معاف کیا۔"

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

رضوانہ ساجد

علم کی طلب انسان کو سفر پر مجبور کرتی ہے اور علم کی پیاس تمام عمر محوِ سفر رکھتی ہے... یہی حال احمد بن حنبل کا بھی تھا جنہیں علم کی پیاس نے ہمیشہ بے چین رکھا اور قریہ قریہ کتنے ہی محترم اساتذہ سے ملاقات کا سبب بنتا چلا گیا۔

بستی بستی، نگری نگری علم کے ایک
شیدائی کی روداد

دوسرا حصہ

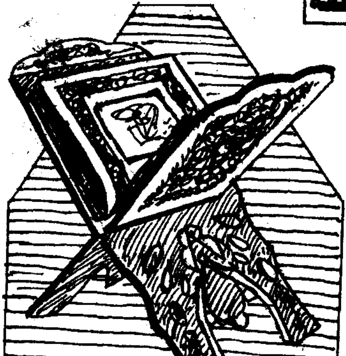

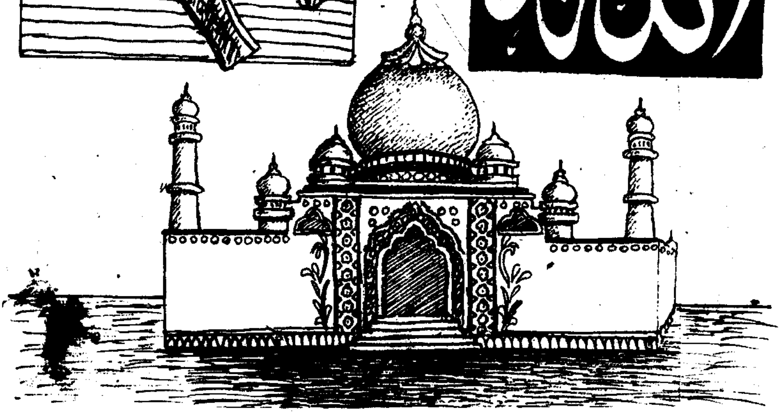

دستک

فاروق انجم

دولت کے گھمنڈ میں انسان کی قدر ومنزلت اکثر اوقات کہیں پیچھے رہ جاتی ہے... رشتے احساسات وجذبات سے عاری ہوکر محض نام کے رہ جاتے ہیں... ان کا رشتہ بھی ایسے ہی مقام تک آگیا تھا جہاں کوئی قدم اٹھانا یا مرجانا ضروری ہوگیا تھا مگر اچانک بند دروازے پر ہونے والی دستک نے گویا ان کی مشکل آسان کردی۔

اونچے گھمنڈ سے شکستہ گمان تک گرنے والی ایک حسینہ کا غرور

بائک کو دو درجن سے زیادہ ککیں مار کر انور کی حالت ایسی ہوگئی تھی جیسے وہ چار سو کلو میٹر کی دوڑ میں شامل ہو۔ اس کی سانس پھول گئی تھی۔ جسم میں کمزوری سی محسوس ہونے لگی تھی جیسے اس کا بلڈ پریشر کم ہوگیا ہو۔ جس پیر سے وہ بائک کو ککیں مار رہا تھا، اس ٹانگ کا حال یہ تھا، گویا وہ جسم کے ساتھ ہی نہ ہو۔ اتنا کچھ ہوجانے کے باوجود بائک تھی کہ اسٹارٹ ہی نہیں ہوئی تھی۔

انور اس وقت اپنے ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑا تھا اور ابھی اس کی ڈیوٹی ختم ہوئی تھی۔ بائک اسٹارٹ نہ ہونے کی وجہ سے انور غصے میں تلملایا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بائک کو سڑک کے عین بیچ میں کھڑا کر کے آگ لگا دے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اس کے پاس یہ اکلوتی بائک تھی۔ پرانے ماڈل کی تھی لیکن وہ اس نے اپنی کمائی سے پیسے جمع کر کے

پچھتاوا

سلیم انور

غلط ہو جانے پر پچھتاوا ہونا ایسا کچھ غلط بھی نہیں ہوتا مگر کچھ اچھا کرکے آدمی پچھتائے تو چونکنے کا مقام ہوتا ہے بہرحال صحیح تھا یا غلط اسے پچھتاووں نے گھیر لیا تھا۔

مغربی معاشرے کی عجیب منطق اور نرالی چال

''تمہیں اس سے کیا سروکار کہ میں اندر کیوں ہوں؟ میں یہاں اندر ہوں، کیا یہی کافی نہیں ہے؟ میں اس بارے میں اپنے دانتوں کی تکلیف کو بڑھانا نہیں چاہتا کہ تم سے اس بارے میں پوچھوں کہ تم یہاں جیل میں کیا کر رہے ہو۔''

''اوکے، اوکے..... مجھے معلوم ہے کہ میرا چہرہ کیسا دکھائی دے رہا ہے۔ میں تمہیں تنبیہ کر دوں دوست کہ میں سخت جان اور تگڑے لوگوں سے پنگا نہیں لیتا لیکن اس وقت میرا موڈ بہت خراب ہے لہٰذا مجھ سے ٹوہ لینے کی کوشش مت کرو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج کے دن میں دوسری مرتبہ یہاں جیل میں آیا ہوں۔ ہاں؟''

''دیکھو، مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ تم کتنے لمبے تڑنگے اور لحیم شحیم ہو یا میری ایک آنکھ کتنی بری لگ رہی ہے۔ میں اپنی دوسری آنکھ سے بہت کچھ دیکھ سکتا ہوں اور اس وقت میں کمینگی کی حد تک خراب موڈ میں ہوں۔ میری یہ کیفیت اس وقت سے ہے جب آج سہ پہر میں اپنے کام سے فارغ ہوا تھا......''

چوتھا حصہ

پسِ پردہ

طاہر جاوید مغل

مختلف مزاج اور الگ الگ خاندانوں کا ملاپ اکثر و بیشتر مشکل ہو جاتا ہے چہ جائیکہ دو مختلف معاشروں میں رہنے والے لوگوں کا سنگم... جن میں زبان و بیان، رہن سہن اور مذہب جیسا فرق... جسے قبول کرنے کے لیے انسان کو دل بہت بڑا کرنا پڑتا ہے اور جناب دل کی بھی خوب رہی جب کسی پر آجائے تو سماج کی کوئی بھی دیوار ہو ثابت قدمی سے ڈٹ جانے والوں کے آگے ریت کی بھربھری دیوار بن کر گر بھی جاتی ہے مگر... یہاں مغربی ماحول میں گلابی جاڑوں کی طرح گلابی اردو بولنے والی اس دوشیزہ نے ایک پاکستانی نوجوان کو اس طرح فرینکفرٹ کی فضائوں کا اسیر کر ڈالا کہ پھر دنیا کے کسی گوشے میں اسے سکون نہ ملا... سکون ملتا بھی تو کیسے کہ وہ تو اپنوں کے پیار بھرے انتقام میں ایسے گھرا ہوا تھا کہ اسے ذرا بھی کسی کی نیت پر شک نہ ہوا... لیکن محبت ہو یا نفرت لاکھ چھپائے نہیں چھپتی، پھر ان نفرتوں اور محبتوں کی حقیقت کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔ لہٰذا پس پردہ ہونے والی سازشوں کا بالآخر ایک دن پردہ چاک ہوا اور چاہت کے مدھر جذبوں نے خود کو منوا لیا۔

انجانی نفرتوں میں پناہ تلاش کرنے والے اس جوڑے

کی کتھا جو..... اپنوں کے اصل روپ سے بے خبر تھا